ترجمہ و تلخیص

عالم اسلام میں مغربی قوانین کی یلغار

اور فقہ اسلامی کے احیاء کی ضرورت

(۲)

تحریر: محمد حبیب بلخوجہ ترجمہ: ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی

یوروپی حملہ اور سامراجی قوانین

اس فکری انحطاط اور عقلی جمود کے بعد سارے عالم اسلام کا واسطہ یوروپ کے ان ظالم سامراجی نظاموں سے پڑا جنھوں نے نہ صرف اس کے سیاسی اقتدار کو ملیا میٹ کیا، اقتصادیات کو تہ و بالا کیا بلکہ اس کے شرعی نظام عدل و انصاف میں تدریجی مداخلت کے ذریعہ بالآخر اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ ہندوستان، ترکی، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک کے عدالتی نظام اور اسلامی قوانین میں سامراجی مغربی ممالک کی اس مداخلتِ بیجا کا سراغ اواخر اٹھارویں صدی عیسوی سے ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مرحلہ وار تبدیلی ان ممالک میں سامراجی کالونیوں کے قیام سے شروع ہوئی اور غیر ملکی اثر و رسوخ کے سایہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی جس کے شعلوں کی لپیٹ سے حجاز کے علاوہ کوئی اسلامی ملک نہ بچ سکا۔ اس تبدیلی کے مددگار عوامل درج ذیل تھے۔

(۱) مغلوب قوم کی غالب قوم سے اثر پذیری و شکست خوردگی کی ذہنیت اور خوف یا رغبت سے اس کی اتباع و تقلید۔

(۲) محکوم ممالک کی رعایا کو ترغیب و ترہیب اور زور زبردستی سے غیر ملکی قوانین وقواعد، نظم و انتظام، تہذیب و تمدن، عادات و اخلاق، رسوم و رواج اور مذاق و مزاج کے تابع بنانے کی شعوری منظم کوشش۔

(۳) پھر مزاج بدلنے کے بعد ان برآمد کیے ہوئے قوانین پر عوام وخواص کی رضامندی اس لیے کہ وہ ان کی نظر میں تغیر پذیر، عصری تقاضوں سے سازگار، شریعت ومذہب[۱۱] اوراخلاق واقدار کی پابندیوں سے عاری تھے اوراہل ملک کو مذہبی واخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد ایسی زندگی فراہم کرتے تھے جو ان کو سابق مسلم معاشرہ میں حاصل نہ تھی۔

اور یہ ہونا یقینی تھا، اس لیے کہ مغربی تہذیب کا مقابلہ مقامی اسلامی تہذیب سے تھا اوراس کے سیاسی، سماجی واقتصادی اصول وتصورات وقوانین سب کے سب اسلامی نظریات، قواعد وقوانین اور نظم وانتظام سے بالکل بیگانہ واجنبی تھے، اس لیے سامراجی حکومتوں کو مقبوضہ ممالک پر اپنا غلبہ وتسلط کا شکنجہ کسنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ وہاں کے معاشرتی ڈھانچہ میں بنیادی تبدیلی لائیں، لہٰذا انھوں نے ان ممالک پر قبضہ مستحکم ہونے کے بعد فوراً اسلامی شرعی قوانین کو مغربی قوانین سے بدلنے کی کوشش کی۔ اس تبدیلی کے بعض گوشوں کا ذکر ڈاکٹر عبدالوہاب سلیمان کی قابل قدر کتاب التشریع الاسلامی فی القرن الرابع عشر الھجری (چودھویں صدی ہجری میں اسلامی تشریع) میں تفصیل سے ملتا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

یوروپی سامراجی اثرات کے نمونے

ہندوستان میں جہاں مغل حکمراں تھے اور حنفی فقہ نافذ تھی وہاں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے نقاب میں انگریز بظاہر تجارتی مقاصد سے داخل ہوئے، پھر اپنے زیر اثر علاقوں میں خاص کر ۱۱۸۶ھ/ ۱۷۷۲ء میں وارین ہسٹنگز کے مرتبہ عدالتی محکموں کے قیام کے بعد بتدریج انگریزی قوانین کی بالادستی قائم کی، پھر جیسے ہی ان کی حکومت کو مزید وسعت اوراستحکام نصیب ہوا تو ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں ہندوستان کا قانون جرائم صادر ہوا جس کے احکام انگریزی قانون جرائم ومقدمات سے ماخوذ تھے، اس کے بعد نام نہاد انگریزی شعار عدل وانصاف وضمیر کے نام پر شہری قوانین کے اہم اجزا میں تبدیلی ہوئی، پھر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں انگلو۔مسلم قانون کا نفاذ ہوا اور مسلمانوں کے امور میں فیصلہ کرنے کے لیے نئے عدالتی محکمے قائم ہوئے جنھوں نے اسلامی شرعی عدالتوں کے تمام اختیارات چھین لیے اور انگریزی عدالتوں میں مسلمانوں کے شرعی مسائل کا دائرہ صرف ان

کے شخصی احوال اور خاندانی معاملات تک محدود ہو گیا۔

انڈونیشیا کی حالت ہندوستان سے بہتر نہ تھی، وہاں ہالینڈ کی سامراج کی بالادستی تھی جس نے اپنا عام قانون مع قانونِ جرائم کے انیسویں صدی میں قبضہ کے وقت ہی سے لاگو کر دیا تھا۔

اسلامی خلافت کے مرکز ترکی میں اندرونی کمزوری اور انتشار کے ساتھ ہی مراعات حاصل کرنے کے لیے غیر ملکی قونصلوں کی مداخلت بڑھی اور باب عالی مغربی حکومتوں کی لالچوں کا نشانہ بنا جنھوں نے حالات کی تبدیلی کے بہانے ترکی میں رائج اسلامی قوانین کو بدلنے کے ڈول ڈالنا شروع کیے تاکہ یوروپ کے ساتھ معاملات طے ہونے میں سہولت ہو اور مرکز خلافت کی رعایا اور یوروپ کے غیر ملکی باشندوں کے درمیان متنازع فیہ مسائل کا فیصلہ غیر ملکیوں کی مرضی و اطمینان کے مطابق ہو اور تجارتی معاملات میں اسلامی شریعت کی عائد کردہ حلال و حرام کی پابندیوں سے نجات ملے جو آزادانہ خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات کی وسعت میں رکاوٹ بنتی ہیں، اس لیے ۱۲۳۱-۱۲۵۵ھ/۱۸۱۶ - ۱۸۳۹ء کے درمیانی وقفہ میں تنظیمات کے نام سے نئے قوانین جاری ہوئے جن کا بنیادی اعتماد یوروپ کے وضعی قوانین اور خاص کر فرانسیسی قانون پر تھا۔ اسی فرانسیسی قانون سے ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں ترکی کے نئے تجارتی قانون کا بیشتر حصہ ماخوذ ہوا جس نے سودی منافع کو جائز کر دیا، اور ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء میں فرانسیسی قانون جرائم کا ترجمہ کر کے من وعن جاری کیا گیا جس سے ارتداد پر قتل کی سزا کے علاوہ تمام شرعی حدود معطل کر دی گئیں، ان کے بعد ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۱ء کا قانون مجریہ بھی فرانسیسی قانون ہی سے ماخوذ تھے۔ پھر عدالتی نظام میں جامع و شامل تبدیلی کے لیے ترکی حکومت نے درج ذیل تین مجالس تشکیل دیں:۔

۱۔ سرکاری استشاری مجلس جس کا کام قوانین اور نظامہائے عمل کی تیاری اور ان کی تنفیذ کی نگرانی تھی۔

۲۔ قانونی کمیٹی جس کا دائرہ عمل مقدمات کو چھانٹ کر یہ طے کرنا تھا کہ ان میں سے کون سے مقدمات فیصلہ کے لیے یوروپی نظام کی تابع عدالتوں میں پیش ہوں۔

۳۔ مجلّہ کمیٹی جس نے ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۸ھ/۱۸۶۹-۱۸۷۱ء کے دوران عدالتی

احکام کے مجلّہ (گزٹ) کے لیے حنفی فقہ کے مطابق بیشتر شہری مسائل کی شرعی قانون سازی کی، اس مجلہ کی اٹھارہ سو اکیاون ۱۸۵۱ دفعات احکام معاملات، مسائلِ دعوی اور قضائی احکام پر مشتمل تھیں، اس کمیٹی نے معاملات کے مسائل میں کسی حد تک شرعی احکام کی بالادستی کا نمایاں کام انجام دیا اور ایک حد تک نئی سرکاری عدالتوں اور شرعی عدالتوں کے درمیان نزاع کی حد فاصل مقرر کی اور ان احکام کو نپے تلے انداز میں آسان طریقہ پر پیش کیا جن سے شرعی قاضیوں کے ساتھ نئی عدالتوں کے ارکان وعہدیداران اور منتظمین نے بڑا فائدہ اٹھایا۔

اس کے بعد ۱۳۴۵ - ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۶ - ۱۹۲۸ء کے دوران تابڑ توڑ تبدیلیوں میں فرانسیسی قانونِ جرائم کو اطالوی الاصل قانون سے اور مقدماتِ جرائم کے قانون سے بدلا گیا تو شرعی عدالتوں کا دائرہ کار صرف شخصی احوال اور عدالتی مجلّہ کے بنیادی احکام (جن کا تعلق حقوق و واجبات سے تھا) تک محدود ہو کر رہ گیا یہاں تک کہ بالآخر کمال اتاترک کی حکومت نے تمام سابق قوانین کو منسوخ کر کے سوئٹزر لینڈ کا قانون قطعی طور پر جاری و ساری کر دیا۔

مصر کے تجارتی، بحری اور جرائم کے قوانین بھی مذکورہ بالا نام نہاد اصلاح وتجدید کی زد میں آئے اور ان سے متعلق مقدمات کو ان نئی سرکاری عدالتوں کے سپرد کر دیا گیا جن کے ذمہ نئے قوانین کی تطبیق وتنفیذ تھی۔ ان کے علاوہ سب سے گہری تبدیلی شہری مسائل میں شرعی احکام کو فرانسیسی شہری قانون سے بدل کر آئی جس کو خدیوی سعید (۱۲۳۷- ۱۲۷۹ھ/۱۸۲۲-۱۸۶۳ء) نے ۱۸۵۶ء میں نافذ کیا، پھر خدیوی اسماعیل (۱۲۴۵-۱۳۱۲ھ/ ۱۸۳۰- ۱۸۹۵ء) نے فرانسیسی تجارتی قوانین پر مبنی مجلّہ جاری کیا جس کی بنیاد پر مصریوں اور غیر ملکی باشندوں کے درمیان تجارتی مقدمات کا فیصلہ ہونا شروع ہوا، اس کے مزید پانچ مجلّات صادر ہوئے جن کا تعلق شہری قانونی مسائل سے تھا، ان پر عمل وتطبیق، غور وفکر اور تغیر وتبدیلی کے بعد عدالتی نظام اور شہری قوانین سے متعلق افراد پر ایک مجلس کی تشکیل ہوئی جس نے شہری قانون کے مجلّہ کو از سر نو تیار کیا جو اب تک نافذ العمل ہے۔

سوڈان میں انگریزی سامراج کے ماتحت باہر سے برآمد کردہ وہی قانونِ جرائم نافذ ہوا جو ہندوستان میں جاری کیا گیا تھا۔ جہاں تک شہری قوانین کا تعلق تھا تو ان میں تھوڑے

سے تجارتی مسائل، جن کا تعلق اعلانِ افلاس، مالی سندوں کے معاملات اور محدود کمپنیوں اور کارپوریشنوں سے تھا، کے علاوہ باقی اپنی اصلی حالت پر برقرار رہے۔

یورپی سامراج کے ماتحت اور مابعد یہی حالت دیگر مسلم عرب ممالک کی نظر آتی ہے۔

شام اور لیبیا نے مصری شہری قانون سے ماخوذ نئے قوانین جاری کیے۔ عراق نے ۱۹۵۱ء میں لیبیا نے ۱۹۶۱ء میں، کویت نے ۱۹۶۲ء میں فرانس کے ۱۹۲۰ء اور اٹلی کے ۱۹۲۷ء کے قانون حقوق و واجبات کے خاکہ سے متاثر شہری قوانین اپنائے۔

لبنان نے اطالوی قانون جرائم کو اپنے متعلقہ قوانین کا ماخذ بنایا اور شہری مسائل میں فرانس کے قانونِ حقوق و واجبات اور اس کے تجارتی عقود کے قانون کو ۱۹۳۱ء/ ۱۹۳۲ء میں اپنے متعلقہ قوانین میں رہنما تصور کیا۔

صرف اردن ایک ایسا ملک تھا جس نے عثمانی عدالتی مجلّہ کے احکام کو باصرار جاری رکھا۔

خلیج عربی کی جن عرب مسلم قبائلی بستیوں کو برطانیہ نے اپنے تسلّط کے زمانہ میں مصالحتی ریاستوں (TRUCIAL OMAN COST STATES) کا درجہ دینے کا ناٹک رچایا تھا اس نے ان کے امراء و شیوخ سے ۱۸۲۰ء میں جہاز رانی میں عدم مداخلت کا عام معاہدہ امن، ۱۸۳۵ء میں سمندر میں لڑائی جھگڑا نہ کرنے کا بحری معاہدہ امن، ۱۸۵۳ء میں دائمی بحری معاہدہ امن کے علاوہ دیگر معاہدے تجارتی رعایتوں، ہوائی پروازوں، تیل کی تلاش و جستجو اور خرید و فروخت سے متعلق کیے یہاں تک کہ ۱۸۹۲ء میں اس نے ان امارات و مشیخات کے امور خارجہ کی ذمہ داری اپنے سر اوڑھ لی، لیکن شاید ان بچھڑی ہوئی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں قبائلی حساسیت کا لحاظ کرتے ہوئے اُن شہری مسائل سے تعرض نہیں کیا جن کا تعلق شرعی احکام سے تھا اور یہ کام ان "روشن خیال" حکام کے لیے چھوڑ دیا جو نام نہاد آزادی کے بعد ان کے والی وارث بنے اور جن کی بستیوں کے حدود کے امن و سلامتی کی ذمہ داری "پرانے ترقی پسند بابیوں" کی تائید سے عالمی دادا امریکہ کے ہاتھ میں آئی ہے۔

شمالی افریقہ کے مسلم عرب ممالک فرانسیسی سامراج کی جس قدر زور زبردستی اور ظلم وزیادتی کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے تھے اسی قدر اس کے قوانین کی بے رحمی کا شکار تھے:

جزائر پر فرانسیسی قبضہ (۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء) کے بعد سے اس کے شخصی احوال کے علاوہ ایک طرف تمام احکام شریعت جبراً و قہراً معطل ہوئے تو دوسری طرف بربری رسوم ورواج کو قانونی حیثیت دے کر اس اسلامی ملک میں عرب اور بربر مسلمانوں کے درمیان فرق اور تمیز کا بیج بویا گیا اور اس کے بعد سیاسی، شہری اور جرائم کے تمام قوانین کو فرانسیسی قوانین سے مکمل طور پر بدل دیا گیا۔

تونس میں ترکی کے تبدیل شدہ قوانین کے مطابق حقوق وواجبات اور تجارتی عقود کا مجلہ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں صادر ہوا تھا جس کے احکام حنفی اور مالکی فقہ سے ماخوذ تھے، پھر فرانسیسی قانون کے تقاضوں کے مطابق ان میں دھیرے دھیرے تبدیلی کی گئی تو تونس کا قانون جرائم جاری ہوا جس کے نتیجہ میں شرعی محاکم کے دائرہ سے شخصی احوال اور بعض حقوق کے علاوہ تمام مسائل خارج قرار پائے، طرفہ ستم یہ ہوا کہ تلم تلہاد آزادی کے بعد ان بے حیثیت شرعی محاکم کو سرے سے ختم کر دیا گیا اور ان سے متعلق بچے کھچے امور بھی نئی سرکاری عدالتوں کے دائرہ اختیار میں گئے۔

مراکش کے ظہیر مغربی نے ۱۹۱۲ء میں حقوق وواجبات اور عقود کا مجلہ جاری کیا تو وہاں بھی شرعی عدالتوں کا دائرہ عمل سمٹ سمٹا کر شخصی احوال اور عائلی مسائل تک محدود ہو گیا۔

اس طرح پورا عالم اسلامی جب چھوٹے چھوٹے مصنوعی علاقوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اپنی شہ رگ (اسلامی شریعت) کی تبدیلی اور تنسیخ کی زد میں آ گیا تو غیر ملکی قبضہ اور تابعداری کے خلاف جہاد آزادی میں اپنی سیادت واقتدار کی بحالی، ذاتی تشخص کے عناصر کی حفاظت اپنے حال کو ماضی سے جوڑنے کی فکر اور اپنی ممتاز فکر وتہذیب دین اور دینی ورثہ پر مبنی اسلامی شخصیت کے اعلان واظہار کے عوامل کام کر رہے تھے۔ اس راہ میں اسلامی بیداری کی تحریک نے اتحاد واتفاق، اسلامی علوم کے احیاء اور مسلمانوں کے لیے شرعی احکام کی توضیح وتطبیق کی دعوت دی اور ضروری جد وجہد اور قربانیوں کے لیے عوام کو آمادہ

کیا، مگر ان کے مقابلہ میں شکست خوردہ ذہنیت کے علمبردار برادران وطن کے ایک گروہ نے یورپی قوانین کی تائید اور ان کو جاری رکھنے کی دعوت کا ایک محاذ قائم کر دیا جو آج تک بند نہ ہوا، اس لیے کہ یہ لوگ اب تک سابق کالونیوں میں عیسائی تبلیغی تحریکوں اور مغربی سامراجی پروپیگنڈوں کی پیدا کردہ شکست خوردہ روح کے حامل ہیں اور اپنے آقاؤں کی یہی بات دہراتے رہتے ہیں کہ ہم تو لوگوں کو اس دین کے خطرات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جس کے پروگرام میں مقدس جنگ جہاد، غیر مسلموں کی دشمنی اور شہری قوانین کو دینی شریعت کے مطابق ڈھالنا ہے جو ایک مشکل کام ہے، اس لیے کہ ان کے خیال میں اسلام اپنے دینی و شہری قوانین کے بندھنوں اور معاشرتی احکام میں اوامر ونواہی کی جکڑ بندیوں کی وجہ سے عصری ترقی کے خلاف ہے۔ کاش مغربی فکر کو دہرانے والے یہ طوطے اور ان سے مختلف معروضی انداز پر سوچنے والے علمائے تاریخ وسماجیات دوسرے رخ پر بھی غور کر کے یہ تسلیم کرتے کہ مسلم اقوام کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ ان کا اپنا امتیازی وجود اور ان کی اپنی مخصوص تہذیب ہو اور وہ ایسے قوانین کے تحت زندگی گزاریں جو ان کے مزاج وماحول اور ان کے خاص حالات سے میل کھاتے ہوں، لیکن افسوس کہ وہ تو اُس عقدہ (complex) کا شکار ہیں جس کی نشاندہی لندن یونیورسٹی کے شعبہ قانون سے ملحق دنیا میں قانونی تبدیلیوں کے عالمی ادارہ کے ڈاکٹر ہنشف نے ترکی کے سیاق میں کی ہے:

> عثمانی حکومت کا فرانسیسی قوانین سے استفادہ اس خواہش کی وجہ سے تھا کہ مغربی حکومتوں کی نظر میں وقار و احترام قائم ہو اس لیے کہ وہ قصاص ہاتھ کاٹنے، رجم وغیرہ کی اسلامی سزاؤں کو دہشت و وحشت اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔

عالم اسلام میں شریعت کے حامی اور اس کے مخالف گروہوں کے مذکورہ پس منظر میں ہم یہ یاد دلانا مناسب سمجھتے ہیں کہ شرعی قانون سازی کا مقصد ایک ایسے صحیح سالم اور محفوظ و مامون معاشرہ کا قیام ہے جس میں نفسانی خواہشات و شہوات اور حرص وہوس کو دخل نہ ہو جیسے کہ امام ابو اسحاق ابراہیم شاطبی (وفات ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء) نے کہا کہ شریعت صرف اس لیے نازل ہوئی تھی کہ اس کے پابند اہلِ ایمان کو ان کی خواہشات کے دواعی

سے نکال کر اللہ کا حکم ماننے والے بندے بنا دے ۔ یہ بات ثابت ہونے کے بعد یہ مفروضہ از خود ساقط ہو جاتا ہے کہ شریعت کو انسانی خواہشات اور فوری منافع کے مطابق ہونا چاہیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر حق تعالیٰ ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا تو زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کا سب برباد ہو جاتا، اس لیے ہم نے ان کو ان کی نصیحت وعبرت کا مرقع قرآن دیا جس سے وہ بے اعتنائی برتتے ہیں ۔ (المومنون : ۷۱)

اہلِ ایمان کا اپنے دین وشریعت کی دنیوی واخروی سعادتوں کی صلاحیت وضمانت پر غیر متزلزل ایمان ویقین ہی کی وجہ سے ان پرانوں اور غیروں کے حملے وحربے کارگر نہیں ہوئے بلکہ وہ راہِ راست پر گامزن رہتے ہوئے امت کے عقائد و روایات، علمی دینی میراث اور اقدارِ عالیہ واخلاقِ فاضلہ کی حفاظت کرتے رہے انھوں نے بھلائی کی رہنمائی اور زمین میں استخلاف کا حق دار بنانے کے لیے امت کے سامنے اللہ کی شریعت کی توضیح وتشریح کی اور لوگوں کو فقہ کی تعلیم دی تاکہ وہ خدائی وعدہ پورا ہو جس کا ذکر قرآن شریف میں ان الفاظ میں آیا ہے : تم میں سے جو ایمان لانے اور عمل صالح پر کاربند رہے ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ یقیناً ان کو زمین میں استخلاف کا اعزاز بخشے گا جیسے کہ ان سے پہلے کے بندگانِ خدا کو عطا فرمایا تھا، ان کے لیے اپنے پسند کیے ہوئے دین کو بالیقین قائم کرے گا اور ان کے موجودہ خوف کو ضرور امن و امان سے بدل دے گا تاکہ وہ کسی چیز کے شرک کے بغیر صرف میری عبادت کریں اور جس نے اس کے بعد بھی کفر وناشکری کی تو وہی لوگ اصلاً فاسق وبدکار ہوں گے (نور:۵۵)

عصرِ حاضر میں فقہ اسلامی سے استفادہ کے طریقے

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اسلامی فقہ کے موجودہ جمود کو توڑنے، اس سے عملی زندگی میں فائدہ اٹھانے اور ان منحرف بلکہ مخالف رجحانات کے مقابلہ کرنے کا کیا راستہ ہو جو طاغوت کو حَکَم مانتے ہیں اور اللہ کی مرضی کے خلاف ایسے فیصلے کرتے ہیں جن سے شریعت کے اصل مقاصد کے لحاظ کے بغیر بعض فوری منافع حاصل ہوتے ہیں یا عدل ومساوات کے خیال کے بغیر کسی ایک گروہ کی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے؟ ہمارے

خیال میں اس کے دو طریقے ہیں :

۱۔ پہلا طریقہ علمی تحقیقی اور نظری ہے جس کا تعلق علماء و اساتذہ اور معلمین و مدرسین سے ہے جس کے بارے میں چالیس سال قبل ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ (ولادت ۱۸۹۹ء) نے ایک مقالہ بعنوان "فقہ اسلامی سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ" میں درج ذیل نکات کے ذریعہ توجہ دلائی تھی :

(۱) فقہی مکاتب فکر کے بنیادی مآخذ کے حوالہ سے اسلامی فقہ کی توضیح و تشریح ۔ جس کے لیے موجودہ بحران سے قبل کی امہاتِ کتب کی علمی تحقیق کے ساتھ نشر و اشاعت کی ضرورت ہے ۔

(۲) یونیورسٹیوں، کالجوں اور خصوصی معاہد کی اعلیٰ تعلیم میں مختلف مذاہب فقہ کے موازنہ و مقابلہ پر مبنی فقہی مطالعہ کو وسعت دینا ۔

(۳) معاملات کے احکام کی تمام فقہی مذاہب کے حوالہ سے تعلیم اور پھر ان سب آرا کا نئے قوانین سے مقارنہ و موازنہ ۔

(۴) کتاب و سنت اور اسلامی فقہ کی روشنی میں صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور معاشیات کے عصری مسائل میں ماہر اساتذہ کے ایک گروہ کی خصوصی تربیت ۔

(۵) اقتصادی سیاست کا عمیق مطالعہ تاکہ موجودہ اشیاء صرف کے بازار، غلّہ منڈیوں اور ایکسچینج مارکیٹ وغیرہ سے متعلق امور کے بارے میں یہ فرق کیا جا سکے کہ ان میں سے کون سے شرعی احکام سے متفق ہیں اور کون سے مختلف ؟

(۶) اسلامی تہذیب و ثقافت میں ممتاز مقام رکھنے والے مسلم دین دار قانون دانوں کے ذریعہ مغربی قانون سے علٰحدہ مستقل بالذات اسلامی قانون سازی کی ضرورت جس کے آسان راستہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ عبد الرزاق احمد سنہوری (۱۳۱۲ - ۱۳۹۱ھ/ ۱۸۹۵ - ۱۹۷۱ء) نے کہا ہے :

> یہ حیثیت اسلامی شریعت ہی کو حاصل ہے کہ اگر اس کے اطراف و جوانب کو ہموار کر کے اس سے واقفیت کی راہ آسان کر دی جائے تو نہ صرف اس سے ہماری موروثی فقہ، تشریعی ذخیرہ اور عدالتی نظام میں استقلال کی روح داخل ہو جائے بلکہ پھر ہم اس نئے نور سے

ساری دنیا کو باخبر کر کے عالمی قانونی سرمایہ کو بھی مالا مال کردیں۔

(۷) اسلامی شریعت اور فقہ مقارن کی طرف توجہ کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ ان قانون دانوں کے فقہ اسلامی کے خلاف بغاوت کے رویّہ پر روک لگ سکے جنھوں نے اپنا رخ غیر ملکی وضعی قوانین کی طرف کرلیا ہے۔

(۸) مجلۃ الاحکام العدلیۃ کی طرح شریعت کی ایسی قانون سازی جس میں کسی ایک فقہی مذہب کی پابندی نہ ہو بلکہ قرآن وسنت کی زیادہ قوی دلیل اور امت کے لیے زیادہ مناسب مصلحتوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

تبدیلی کے آثار

ان مجوزہ نکات کے بعض خوش آئند مبارک نتائج اس وقت ظاہر ہوئے جبکہ تیس سال قبل عالم اسلام کی مشہور مسجدی درس گاہوں جیسے زیتونہ، قرویین، ازہر نیز دیگر اعلیٰ معاہد اور عصری یونیورسٹیوں میں شریعت کالج قائم ہوئے، ان کے نصاب میں ضرورت کے مطابق تبدیلی کی گئی اور ان کے اساتذہ وطلباء کو اسلامی میراث کے احیاء کے لیے فقہ، اصول فقہ، اصول اختلاف، احکام وفتاوی کی امہات الکتب کی علمی تحقیق، حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں مختلف قابل غور موضوعات پر مستقل بحث ومطالعہ اور فقہی لغات ومعاجم وموسوعات کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

فقہی مطالعات میں تبدیلی کے اس رخ کو سمجھنے کے لیے ہم نے ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کی نگرانی میں کمپیوٹر کی مدد سے تیار کردہ ایم اے، پی ایچ ڈی رسائل کی فہرست کا جائزہ لیا جس میں اکیس کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پیش کردہ ان علمی وتحقیقی رسائل کا ذکر ہے جن کا تعلق مختلف اسلامی علوم وفنون سے ہے جیسے تفسیر وتجوید، حدیث ورجالِ حدیث تہذیب وتمدن، زبان وادب، فلسفہ وعقائد وعلم کلام، مذہبی مکاتبِ فکر وغیرہ، ان رسائل کی کل تعداد سترہ سو بانوے ۱۷۹۲ میں سے پندرہ سو چونسٹھ ۱۵۶۴ کا تعلق مطالعات وابحاث سے تھا اور دو سو اٹھائیس ۲۲۸ تحقیق شدہ کتابیں تھیں۔ اس مقالے کے موضوع کے لحاظ سے ہم نے جب صرف ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کے کام کا جائزہ لیا جو شرعی وفقہی علوم کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتی ہیں تو معلوم ہوا کہ اس میدان میں حسب ترتیب امّ القریٰ مکہ مکرمہ، اسلامی

یونیورسٹی مدینہ منورہ، امام سعود یونیورسٹی ریاض، ازہر یونیورسٹی قاہرہ، دمشق یونیورسٹی دمشق سرفہرست تھیں۔ موضوعاتِ بحث پر غور کیا تو ان میں آیاتِ احکام، فقہ، عبادات، نکاح، میراث، معاملات، مالیات، قضا، فقہ مقارن، شرعی سیاست، اقتصادیات اور مالکی وحنبلی اصول فقہ کو شامل پایا۔ تحقیقی کتابیں بہت متنوع تھیں جن میں سے بعض متعدد اجزاء پر مشتمل تھیں جیسے:

قرافی کی الذخیرہ اور العقد المنظوم فی الخصوص والعموم،
ماوردی کی الحاوی الکبیر،
ابن شیرازی کی النکت فی المسائل المختلف فیہا
ابن جریر طبری کی فقہ العبادات وغیرہ

نظری طریقہ کے اس مختصر جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں اصالت، التزام اور حیویت کے لحاظ کے باوجود ابھی تک فقہ کے تاریخی مطالعہ، شرعی وقانونی موازنہ اور فقہی احکام کے بکھرے ہوئے مواد کی معاصر دستوروں کی طرح دفعہ وار ترتیب کو نہ اس کا ضروری حصہ ملا ہے نہ حق ادا ہوا ہے، بہرحال چونکہ بارش کی ابتدا، رم جھم دبوچھار سے ہوتی ہے جو آئندہ موسلادھار بارش کی نوید سناتی ہے جو آئندہ موسلا دھار بارش کی نوید سناتی ہے اس لیے دانش گاہوں وخصوصی معاہد، علمی مجالس واکیڈمیوں کے مخلص صاحب عزم وحوصلہ کارپرداز علماء و باحثین کی سعی مسلسل سے امید کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں وہ کام کی وسعت کا لحاظ رکھتے ہوئے مزید کارہائے نمایاں انجام دیں گے۔

۲۔ دوسرا طریقہ اجتہادی وتطبیقی ہے جس کا تعلق مجتہدین، قضاۃ، فقہاء اور اہلِ افتاء سے ہے۔ یہ زندگی کی ضرورت، اسلام اور اس کی امت سے انتساب و ارتباط کا تقاضہ اور دین سے تمسک کے دعوی کا مطالبہ ہے اور گذشتہ جمود وتعطل کے دور کے بعد کیا اب اس سے غفلت یا اس باب میں سہل انگاری کی کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے؟ اور کیا مآخذ شریعت کی طرف رجوع، ان سے احکام کے استنباط اور رشد وہدایت وعدل وانصاف کے حصول کے سوا کوئی اور چارہ ہے؟ اور کیا یہ امانت ودیانت کی بات ہوگی کہ فقہ کی شدید ضرورت کے وقت ہم اس کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھتے رہیں؟

اجتہاد کا صحیح طریقہ

اس امت کی صلاح وفلاح ہمیشہ اس کے اسلاف کے اجتہاد واستنباط کے طریقہ سے ہوئی اور اسی سے فی الوقت اور آئندہ بھی ہوگی، صرف فقہائے مذہب کے اقوال پر جمود نہ تو شرعی مخالفتوں یا دین سے دوری سے نجات دلا سکتا ہے، نہ تقلید کی پابندی ان مسائل میں کام آسکتی ہے جن میں خود فقہاء نے اپنی رائے بدلی ہے یا ان کے زمانہ میں جو مسائل سامنے نہیں آئے تھے ان کے بارے میں انھوں نے کوئی رائے نہیں دی ہے۔

اسی طرح تمام فقہی آراء سے آزادی اور نصوص شریعت سے متعلق فقہاء کی تفسیرات سے نجات ہمارے نزدیک مطلوب حل نہیں ہے جس کی تجویز علامہ محمد اقبال (۱۲۹۴ - ۱۳۵۷ھ/ ۱۸۷۷ - ۱۹۳۸ء) نے "اسلام میں دینی فکر کی تشکیل جدید" کی چھٹی فصل میں کی ہے اور ان کے مغرب زدہ متبعین نے اس کی تائید کی ہے، خواہ ان کی اس رائے سے معاشرہ کی عملی مصلحتوں پر مبنی احکام کی تعبیر نکلتی ہے، لیکن ان کی اس رائے کے ہم اس لیے خلاف ہیں کہ اس سے شریعت کے بیشتر احکام کی مخالفت ہوتی ہے، نصوص شریعت معطّل ہوتی ہیں، اسلامی قوانین ٹوٹتے ہیں، نیز ان کی یہ رائے اس بیرونی برآمد کردہ مغربی فکر کے تابع ہے جس کے غلبہ وتسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہم یہ ساری جدوجہد کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے مستقل بالذات اسلامی تشخص کی حفاظت ہو اور دین حنیف کی خالص شریعت کی پابندی کی راہ ہموار ہو۔ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ نے بجا طور پر تقلید کے قائل اور آزادی کے داعی دونوں گروہوں کو افراط وتفریط کا شکار قرار دیا ہے اور بیشک درمیانی راستہ ہی بہترین راہ عمل ہے۔

جہاں تک شرعی وفقہی امور میں سیاسی حکام کی طرف سے مسلّط کردہ ان تبدیلیوں کا تعلق ہے جو مغربی فکر کے استمرار کی غماز ہوتی ہیں تو ان کے بارے میں سچی بات یہ ہے کہ وہ اس وقت تک بالکل ناقابل التفات ہیں جب تک ان کی کوئی مقبول شرعی وجہ نہ ہو اور قرافی نے جو یہ کہا ہے کہ "صحیح قول کے مطابق اجتہادی مسائل میں معمول بہ مذہب کے خلاف حاکم کے اپنے مذہب کے مطابق حکم سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور فتویٰ بدل جاتا ہے"، کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا یعنی اس کی کوئی مقبول شرعی وجہ ہونا چاہیے۔